© rasailojaraid.com

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اسلامیان ہند کا تہذیبی ورثہ

(۷)

از :- سعید احمد اکبر آبادی

حکومت کے مقابلے میں علی گڑھ کالج کی یہ کامیابی اس قدر عظیم تھی کہ ملک بھر کے مسلمانوں نے اس کا جشن منایا۔ شعرا نے نظمیں کہیں قطعات لکھے۔ اخبارات میں مضامین شائع ہوئے۔ نواب صاحب اور ٹرسٹیوں پر مبارک باد کے خطوط اور ٹیلیگراموں کی بھرمار ہو گئی حضرت اکبر الہ آبادی نے کالج کی زندگی میں اس اہم واقعہ کی تاریخ "وقارِ عظیم" نکالی [1]

ایک سبق اس زمانہ کے مسلمانوں کے لیے اس واقعہ کا یہ پہلو خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کے لائق ہے کہ اس زمانہ میں سرسیّد کے زیرِ قیادت مسلمانوں کی پالیسی حکومت سے تعاون اور اشتراکِ عمل کی تھی۔ لیکن اس پالیسی کے اختیار کرنے میں دخل حکومت کی چاپلوسی یا خوشامد

---

[1] جن دنوں میں یہ معرکہ برپا تھا اس زمانے میں بھی اکبر الہ آبادی مرحوم نے ایک دوست کو پرائیویٹ خط میں یہ شعر لکھا تھا۔

کالج کے در پہ لکھ دے کوئی آب گولڈ سے　　خم ہو سکے نہ سکرٹری آرچ بولڈ سے

موصوف اس شعر کے نیچے یہ بھی لکھتے ہیں :- آرچ اور خم کی رعایت قابلِ لحاظ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ انھوں نے یہ راہ سوچ سمجھ کر قومی اور ملی مفاد کے پیش نظر پسند کی تھی۔ اس بنا پر ان میں خوف اور جبن نہیں تھا۔ اور جب کبھی ان کو ملی مفاد کے لیے کوئی خطرہ نظر آتا تھا وہ برملا حکومت پر اس کا اظہار اور اظہار پر اصرار کر بیٹھتے تھے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے نزدیک حکومت سے وفاداری کے معنی حکومت کی غلامی کے نہیں تھے۔ خود سرسید کی زندگی میں اس قسم کے متعدد مواقع پیش آچکے تھے اور اب نواب وقار الملک کے عہد میں تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے ہندوستان کے سب مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا"

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ جب انگریزوں کے دورِ غلامی میں مسلمانوں کی بے خوفی اور بے جگری کا یہ عالم تھا تو آج قومی حکومت کے زمانہ میں یہ بات کیوں نہیں؟ گذارش یہ ہے کہ اس کے وجوہ و اسباب چند در چند ہیں۔ لیکن بڑی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں علی گڑھ کالج صرف ایک کالج نہ تھا۔ بلکہ ایک تحریک تھا۔ اس بنا پر اس کالج کے سکریٹری اور ٹرسٹی مسلمانوں کے لیڈر اور اُن کے قائد بھی ہوتے تھے۔ لیکن تقسیم کے بعد سے علی گڑھ یونیورسٹی کی یہ حیثیت ختم ہو گئی۔ اور اب وہاں زمامِ اختیار و اقتدار جن ہاتھوں میں ہوتی ہے وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ حکومت کے منتخب لوگ ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے معتمد علیہ نہیں ہوتے یہ دوسری بات ہے کہ کسی نے اپنے بے غل و غش اور بے لوث کیرکٹر کے باعث مسلمانوں کا اعتماد حاصل کر لیا ہو۔

ٹرسٹیوں کا اعلان بہرحال اس واقعہ سے حکومت کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ علی گڑھ کالج نے حکومت سے وفاداری اور اس کے ساتھ اشتراکِ عمل کی پالیسی میں تبدیلی کر لی ہے اور بعض حلقوں میں اس کا اظہار کیا بھی گیا۔ چونکہ اس سے کالج کو نقصان پہونچ سکتا تھا۔ اس بنا پر کالج کے ٹرسٹیوں نے ایک وضاحتی بیان شائع کیا اور اس میں انھوں نے صاف لفظوں میں کہا:۔

"ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ (یورپین) اسٹاف کی امداد اور ان کا درست رویہ کالج کی روایات کو قائم رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے، بس ہم لوگوں کی کارروائی کا جو فرض کے سچے اور اعلیٰ احساس کا نتیجہ ہے۔ کچھ اور مطلب بتانا سخت بیدردانہ اور نامناسب اور سراسر ناجائز ہے۔" (ص ۷۹ ۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید پرنسپل | نواب صاحب کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی داد دینی چاہیئے کہ مسٹر آرچ بولڈ کا استعفا منظور کر لینے کے بعد اب انہوں نے نیا پرنسپل منتخب کیا تو وہ بھی انگریز اور کالج کے یورپین اسٹاف کا سینیر ممبر ہی تھا۔ لیکن اس طرح کے تقرر سے پہلے اس کو ایک مفصل خط لکھا کہ بحیثیت پرنسپل کے اس کے فرائض کیا ہوں گے اور سکریٹری اور کالج کے ٹرسٹیون کو اس سے کیا توقعات ہوں گی۔ گویا پرنسپل اب بھی ایک انگریز ہی کو رکھا۔ مگر اپنی شرائط کا پابند بنا کر! "جام وسندان باختن" اسی کو کہتے ہیں۔ موصوف نے جب ان سب شرائط کو تسلیم کر لیا تو ان کا تقرر ہوا۔ ابتداءً دو برس کے لیے آزمائشی طور پر اور اس کے بعد مستقل، جب پرنسپل کو اس طرح پابند بنا لیا تو اب اسٹاف کے باقی لوگوں سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ ان کا نام مسٹر نول تھا۔

باقی اصلاحات وانتظامات | جب اس معرکہ سے فراغت ہوئی اور نواب صاحب سکریٹری کے اختیارات کو اپنی صوابدید کے مطابق آزادی کے ساتھ استعمال کرنے کے لائق ہو گئے تو اب انہوں نے دوسرے اہم اور ضروری امور کی طرف توجہ کی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے تین چار برس کی مدت میں ہی جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت نے ان میں کس بلا کی قوتِ عمل اور دل و دماغ کی توانائی سے نوازا تھا۔ یہ سب کچھ یقیناً ایک غیر معمولی مشنری اسپرٹ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ان اصلاحات کا خلاصہ مولف وقارِ حیات کی زبان سے سن لیجئے۔ لکھتے ہیں:-

> "نواب صاحب کے زمانہ میں کالج میں بہت سی اصلاحات اور جدید انتظامات عمل میں آئے۔ مثلاً دفتر کی تہذیب و ترتیب، پابندیِ اوقات۔ نظامِ عمل کی تبدیلیاں، جدید اساتذہ کا تقرر، دینیات کا خاص انتظام۔ قوانین کی ترتیب و اصلاح، پریس و انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ترقی، کاروبار کی مختلف شعبوں پر تقسیم، اور مقامی ٹرسٹیون کو کام میں شرکت کا موقع دینا، سنڈیکیٹ کا قیام۔ ٹرسٹیوں کی تعداد میں اضافہ، اساتذہ کے حقوق اور مدارجِ ترقی کا تعین، اور ان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹریننگ میں بھیجنے کا انتظام ، جدید عمارات کی تعمیر، سائنس اسکول کی ترقی،
غرض اسی قسم کی متعدد اصلاحیں ہوئیں اور انتظامی تغیرات عمل میں آئے
جن کے لکھنے کے لیے ایک اور مستقل کتاب کی ضرورت ہے (ص ۴۹۵)

تاہم جو چند بہت ہی نمایاں اصلاحات ہیں وہ یہ ہیں :-

پہلے صرف کالج کے ٹرسٹیوں کی ایک مجلس تھی جس کا اجلاس سال میں دو مرتبہ ہوتا تھا۔ آج کل کی اصطلاح میں اسی کو کورٹ (COURT) سمجھئے۔ نواب صاحب نے ایک سنڈیکیٹ قائم کیا جو فوری ضرورتوں کے وقت اہم امور کا فیصلہ کر سکے اور اس کے اختیارات وسیع رکھے۔ آج کل بھی اس قسم کی ذمہ دار کمیٹیوں کو بعض یونیورسٹیوں میں (مثلاً کلکتہ، مدراس اور بمبئی وغیرہ) سنڈیکیٹ ہی کہتے ہیں اور بعض یونیورسٹیوں (مثلاً علی گڑھ، دہلی، بنارس وغیرہ) میں اسی کا نام اکزکٹو کونسل ہے، اس زمانہ میں سنڈیکیٹ کے ممبروں کی تعداد سولہ تھی، ساتھ ہی نواب صاحب نے ٹرسٹیوں کی تعداد میں اضافہ کرایا اور مقامی ٹرسٹیوں کو بھی کالج کے کاروبار میں عملی حصہ لینے کے مواقع فراہم کیے۔

طلبا کو جو مالی امداد ان کے افلاس کے باعث دی جاتی تھی۔ نواب صاحب نے تجویز کی کہ اب یہ امداد قرض حسنہ کی شکل میں دی جائے۔ کالج میں پہلے طلبا کے علاج کے لیے ایلوپیتھک طریقۂ علاج کا انتظام تھا۔ اب نواب صاحب نے یونانی مطب کا بھی انتظام کیا۔ لیکن ساتھ ہی انگریزی طریقۂ علاج کو بھی ترقی دی کالج میں کوئی فیلوشپ نہیں تھا۔ نواب صاحب نے اسے قائم کیا۔

دینیات کے لیے وظیفہ کالج میں دینیات کی تعلیم کا جو نظام قائم تھا وہ ناکافی تھا۔ اور نواب صاحب اس سے مطمئن نہیں تھے۔ اس تعلیم سے زیادہ ذہنی مسائل سے کچھ شدّبد ہو جاتی تھی۔ حالانکہ مسلمانوں کی ایک اہم ضرورت یہ بھی تھی کہ انگریزی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص اعلیٰ درجہ کی مذہبی اور دینی تعلیم بھی براہ راست عربی کے ذریعہ حاصل کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نواب صاحب اس ضرورت کو شدّت سے محسوس کرتے تھے اس لیے انھوں نے تجویز کی کہ کسی گریجویٹ کو جو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا ذوق رکھتا ہو اس کو کالج سے تین برس کے لیے پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ دے کر دیوبند بھیجا جائے ۔ یہ تجویز منظور ہوگئی ۔ اور اس سلسلہ میں ایک گریجویٹ جس کا نام مشہور زمانہ تھا اس وظیفہ کے ساتھ دیوبند بھیجا گیا لیکن یہ تجربہ نہایت ناگوار اور سخت تلخ ثابت ہوا ۔ یہ شخص انگریزوں کا باقاعدہ ملازم ہوکر دیوبند اور خاص طور پر شیخ الہند مولانا محمود حسن رح پر جاسوس مقرر ہوگیا اور شیخ الہند کی تحریک کی مخبری کرتا رہا ۔ چنانچہ شیخ الہند اور ان کے رفقاء کی گرفتاری اس کی ہی جاسوسی اور مخبری کا نتیجہ تھی آخر اس تجویز کو ختم ہونا پڑا ۔

دینیات کی تعلیم کی اصلاح | خود کالج میں دینیات کی تعلیم کا جو بندوبست تھا ۔ اس میں انہوں نے یہ اصلاح کی کہ اس کو ہر ایک کے لیے لازمی اور اس کے امتحان میں کامیابی کو ضروری قرار دے دیا ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کالج میں دینیات کی تعلیم کا نظام چلا آرہا تھا نواب صاحب اس سے بالکل مطمئن نہ تھے اور چونکہ وہ راست باز انسان تھے اس لیے مسلمانوں کو طفل تسلی دینے کی غرض سے اصل حقیقت کو پبلک سے چھپاتے نہیں تھے ۔ چنانچہ ۲۰ ؍ اپریل ۱۹۱۰ء کے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں دینیات کے نصاب تعلیم پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے لکھا :-

” در حقیقت میں خود اپنے آپ کالج کی مذہبی تعلیم و تربیت کی طرف سے ابھی تک مطمئن نہیں ہوں اور موجودہ حالت میں اس پر اطمینان ظاہر کرنا پبلک کو دھوکا دینا ہے میں مقر ہوں کہ نصابِ تعلیم دینیاتِ کالج کافی نہیں ہے ۔ اور بہت کچھ ناکافی ہے ؛ “

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی لکھا ہے نصابِ دینیات کی اصلاح تو اس لیے نہ ہو سکی کہ علماء نے اس سے دلچسپی نہیں لی ۔ اور جنھوں نے دلچسپی لی بھی تو ان کے نزدیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینیات کی تعلیم کے لیے راہِ نجات یا مالا بدمنہ پڑھا دینا کافی تھا البتہ نواب صاحب نے طلباء میں تقریروں کے ذریعے اس امر کی پوری کوشش کی کہ طلبا انگریزی تعلیم کے ساتھ عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے پکے اور سچے مسلمان ہوں۔

اس موقع پر صرف ایک تقریر کا اقتباس یہ دکھانے کے لیے کافی ہوگا کہ وہ جب اس موضوع پر طلبا سے خطاب کرتے تھے تو کس جوش و خروش اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کی توجہ امورِ دینی کی طرف مائل کروں میں کسی شخص سے نہیں کہتا۔ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ آپ میں ہر ایک اپنے کو مخاطب سمجھے میں یہ جانتا ہوں کہ آپ میں سے ایک معقول تعداد روزہ نماز کی پابند ہے، اور امید کرتا ہوں کہ آپ ایسے ہی ہوں گے۔ لیکن یہ معلوم کرکے مجھے افسوس ہوا ہے کچھ لوگ مسجد میں شریک نماز نہیں ہوتے۔ حقیقت میں یہ بات قابلِ افسوس ہے...... یہ زمانہ آپ کی تحصیل کا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ آپ اس آیندہ وقت کے لیے تیار ہوں۔ کوشش کیجئے اور سخت کوشش کہ آپ مسلمانوں کے لیے اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہوں وہ روش اختیار کیجئے، ایسے پاک و صاف مذہبی طریقے پر چلئے کہ مسلمان آپ پر پورا بھروسہ رکھیں، حقیقت میں آپ کسی طرح قومی لیڈر نہیں ہو سکتے اگر آپ اسلامی شعائر کے پابند نہیں ہیں، یہ لال لال ٹوپیاں، یہ کالے کالے کوٹ، پبلک جلسوں میں اور کانفرنس کے پنڈال میں تو بہت دکھائی دیں، اور کس قدر جائے افسوس ہے کہ ان کی تعداد مسجد میں کم ہو، الغرض! اکی پکار تو بہت ہے لیکن سب سے مقدم جو فرض مسجد کا ہے، وہی نہیں ہوا تو سب ہیچ ہے۔

(ص ۵۲۶)

چوں کہ نواب صاحب نماز باجماعت کی تاکید کرتے تھے اور سب طلباء کو یونیورسٹی مسجد میں پانچوں وقت حاضر ہونا مشکل تھا۔ اس لیے انھوں نے ہر ہوسٹل میں ایک کمرہ نماز کے لیے مخصوص کر دیا اور اس کے لیے ایک امام اور ایک موذن کے تقرر کی منظوری بھی دے دی۔ چنانچہ یہ نظام اس وقت سے اب تک برابر چلا آرہا ہے۔ اور ہالوں کی مزید تعمیر اور ان میں وسعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ اماموں اور موذنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔

علاوہ ازیں نواب صاحب نے کالج کی عمارتوں میں بہت اہم اور قابلِ قدر اضافہ کیا۔ کالج کی مالی حالت بھی مستحکم بنائی۔ کالج کو مسلم یونیورسٹی بنانے کی تحریک شروع ہوچکی تھی۔ اس سلسلہ میں نواب صاحب نے اپنی سعی اور جدوجہد سے چھبیس لاکھ روپے جمع کیے۔ اس زمانہ کے حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو دو تین برس کی مدت میں ہی اس قدر خطیر رقم جمع کرلینا جہاں ایک طرف نواب صاحب کی غیر معمولی تگ ودو اور کاوش کی دلیل ہے۔ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ مسلمانوں کو کالج سے کس درجہ تعلقِ خاطر تھا اور وہ کس طرح کالج کو جلد یونیورسٹی کی شکل میں دیکھنے کے لیے بے قرار تھے۔

نواب صاحب نے جب کالج کے سکریٹری کا عہدہ سنبھالا تھا ان کی عمر ۷۰ برس کی تھی اور اس میں کم وبیش پچاس برس انھوں نے بڑی محنت اور شدید مصروفیت میں بسر کیے تھے۔ اب ضرورت تھی کہ وہ آرام کرتے اور حیاتِ مستعار کے باقی دن اپنے وطن میں راحت و سکون سے گذارتے۔ لیکن قدرت نے ان کے دل میں قوم کی خدمت کا جو والہانہ جذبہ ودیعت کیا تھا۔ اس نے ان کو چین نہ لینے دیا۔ چنانچہ جب یہ عظیم ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی تو انہوں نے اس کا حق مستعد نوجوانوں کی طرح ادا کیا۔ لیکن عمر تو بہرحال ضعیفی اور انحطاط کی ہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحت نے جواب دے دیا۔ ادھر نواب صاحب کے ابتدائی تقرر کی مدت ۱۹۱۰ء کے وسط میں ختم ہو رہی تھی۔ اس لیے انھوں نے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوجانے کی بڑی کوشش کی اور مدت کے ختم ہونے سے پہلے ہی استعفادے دیا۔

لیکن نواب صاحب نے کالج کی جو نہایت عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں ان کی وجہ سے صورتِ حال یہ قائم ہوگئی کہ نواب صاحب غلبہ مرض، اضمحلال ضعیفی میں ترقی کے باعث بار بار استعفا پیش کرتے تھے اور ٹرسٹی صاحبان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِسے ردکردیتے تھے۔ یہ سلسلہ دو برس تک چلتا رہا۔ آخر ۱۹۱۲ء کے ماہ جولائی میں نواب صاحب نے جواب ۷۲ برس کے تھے۔ صحت کی نادرستگی اور افراطِ ضعف سے سخت مجبور ہوکر جب پھر استعفا پیش کیا تو ٹرسٹیوں کو بادل نخواستہ منظور کرنا ہی پڑا۔ اس موقع پر ٹرسٹی حضرات نے اپنی مجلس میں بہ صورتِ تجاویز اور اخبارات نے مضامین اور افتتاحیوں میں اور زعمائے ملک و قوم نے خطوط اور ٹیلیگراموں کے ذریعہ نواب صاحب کی ذات اور کالج کی خدمات کے بارہ میں جن عمیق احساسات و جذبات کا اظہار کمال خلوص و محبت کی زبان میں کیا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ علی گڈھ کالج کو اس کے واقعی مقاصد کا ایک زندہ اور عملی پیکر بنانے کا سہرا نواب وقار الملک کے سر ہے۔ مرحوم کے عہد سے پہلے بھی یہ مقاصد تھے۔ لیکن مصلحت پسندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عزائم تھے! لیکن اندیشۂ سود و زیاں کے حصار میں بند، جذبات و احساسات شبنم آلود تھے۔ اور یقینِ محکم عملِ پیہم سے ہم کنار نہ تھا۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی لکھتے ہیں :۔ مثلاً "پہلے رمضان المبارک میں بے تکلف ' ڈائننگ ہال گرم ہوتا تھا"

نواب صاحب علی گڈھ کالج کی تاریخ میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے کالج کے مقاصد کو رفعتِ پرواز دی۔ عزائم میں آزادی کی رُوح پیدا کی اور ایمان و عمل کو باہم گرہم کنار و ہم قرین کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب مسلمانوں کا مذہبی طبقہ بھی کالج کی طرف کشش محسوس کرنے لگا۔ وقارِ حیات کے مصنف نے نواب صاحب کے عہد پر تبصرہ کرتے لکھا ہے۔

"جب انہوں نے کالج کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تو کالج بھی ان کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ دفعۃً پبلک کا اعتماد کالج پر بڑھ گیا۔ اس کے علاوہ لوگوں کو یہ حسن ظن بھی پیدا ہوا کہ ان کی (نواب صاحب) توجہ سے طلباء کی مذہبی اور اخلاقی حالت کی اصلاح ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا، انھوں نے نماز کا خاص انتظام کیا۔ مذہبی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ کی، اخلاقی نگرانی کا بندوبست کیا۔ مختلف اوقات میں علما کو وعظ کے لیے بلایا۔ ایک عالم کا مستقل تقرر کیا۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ ملاقاتوں میں ہمیشہ طلبا کو مفید نصائح کرتے رہے، انھوں نے طلبہ میں ایک قسم کا قومی اور مذہبی احساس پیدا کیا، اور اسلامی جذبات کو نشو ونما کا موقع دیا۔ چنانچہ جنگِ طرابلس و بلقان کے موقع پر طلبہ نے جس مذہبی جوش اور ایثار کا اظہار کیا وہ انہیں کے فیضِ تربیت کا کرشمہ تھا۔ ان حالات نے علما کو بھی کالج کی طرف متوجہ کیا اور علما کی وجہ سے مسلمان بھی متوجہ ہوئے جن پر علما کا خاص اثر تھا۔ سرسیدؔ کے زمانہ میں ان کی صلابتِ مزاج اور مذہبی آزادی کی وجہ سے مذہبی گروہ کالج سے بیزار تھا اور عوام بے تعلق۔ اس لیے سرسیدؔ کا تمام زمانہ مخالفت اور کشمکش میں گذرا۔ نواب محسن الملک کا زمانہ البتہ پُرسکون تھا۔ وہ ایک نرم مزاج، مروت پسند، صلح جو، طبیعت کے شخص تھے۔ ان کی خوش تدبیری، جادو نگاری۔ اور سحر بیانی نے مخالفت کے جوش کو بہت کچھ سرد کر دیا۔ لیکن مذہبی گروہ پھر بھی پہلو تہی کرتا رہا۔ اور عام مسلمان بھی عملاً متوجہ نہیں ہوئے۔ لیکن نواب وقار الملک کی مذہبی زندگی اور اسلامی معاشرت نے علما کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا اور عام مسلمانوں نے سرسیدؔ کی اس تعلیمی تحریک میں عملاً حصہ لیا۔ چنانچہ جب مسلم یونیورسٹی کی تحریک شروع ہوئی تو کوئی مخالف آواز بلند نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے ہر طبقہ نے اس کا خیر مقدم کیا۔ علما نے اس کی تائید کی۔ اور مجلس ندوۃ العلما نے تو مالی اعانت سے بھی دریغ نہیں کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے عہد میں کیسی زبردست تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ سب کامیابی درحقیقت ان کی زبردست شخصیت کا نتیجہ تھی اور ان کی شخصیت کو مذہبی رجحان نے بلند کر دیا تھا" (ص۔ ۳۔ ۵۵۲)

اقتباس اگرچہ طویل ہو گیا۔ لیکن سر سید، نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک ان تینوں کے عہد کے علی گڑھ کالج پر اس سے بہتر تقابلی تبصرہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہو گا کہ علی گڑھ کالج (اور اب مسلم یونیورسٹی) کو جب ہم مسلمانانِ ہند کا تہذیبی ورثہ کہتے ہیں تو اس سے مراد کالج کی وہ ہیئت ہے جس کا خاکہ سر سید نے بنایا۔ اس میں آب و رنگ نواب محسن الملک نے کھرا۔ اور اس میں استحکام و استواری نواب وقار الملک نے پیدا کی۔

ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۷۱ء کی		سنہ ۱۹۷۰ء کی مطبوعات	
(۱) تفسیر مظہری اردو دسویں جلد	-/۱۷	(۱) تفسیر مظہری اردو نویں جلد	-/۱۷
(۲) بیماری اور اس کا روحانی علاج	-/۸	(۲) حیات (مولانا) سید عبدالحیؒ	-/۱۱
(۳) خلافتِ راشدہ اور ہندوستان	-/۹	(۳) احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت	-/۹
(۴) ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط	-/۷	(۴) مآثر و معارف	-/۱۰

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com